© rasailojaraid.com

حافظ محمد اقبال مانچسٹر

یورپ کا بیمار معاشرہ

اسلام کے فلسفۂ اخلاق اور اسلامی قوانین پر عمل درآمد کرنے کی اشد ضرورت

برطانوی وزارت داخلہ کے ایک وزیر مائیکل جیک نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوتے بتلایا کہ گذشتہ سال (۱۹۹۲ء) برطانیہ اور ویلز میں کل ۵۵ لاکھ جرائم کا اندراج ہوا۔ انہوں نے جرائم میں ۱۵ فیصد اضافے پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب لوگوں میں پولیس کو جرائم کی رپورٹ کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمام صنعتی ممالک میں جنگ دوم عظیم کے بعد سے جرائم میں تیزی سے اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے (جنگ لندن ۲ مارچ ۹۳ء) اس خبر سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ اور یورپ جیسے نام نہاد ترقی یافتہ اور مہذب ممالک میں جرائم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ہر آئے دن قتل و غارت گری۔ چوری ڈاکہ کی خبریں متواتر آتی ہیں۔ لوگوں کا سکون اور امن و امان اٹھ چکا ہے۔ خوف ہراس ہر وقت سایہ کی طرح رہتا ہے۔ اخباری اور T.V کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ کئی عورتیں دن بھر اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے باہر نہیں نکلتی۔ بالخصوص کونسل کے بنائے ہوئے گھروں میں مقیم عورتیں خوفزدہ ہیں اور انتہائی مجبوری کی صورت میں ہی گھر سے باہر نکلنے کیلئے تیار ہوتی ہیں۔

برطانیہ اور یورپ میں جرائم کی تعداد میں اضافہ پر حکومت اور وزرا پریشان ہیں۔ سخت سزاؤں کا نفاذ ان کے نزدیک وحشیانہ اور غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔ گذشتہ سال حکومت نے جرائم کے خلاف سخت قدم اٹھانے کا اعلان کیا تھا۔ پولیس کی تعداد میں اضافہ بھی کیا گیا۔ نت نئے انداز اپنائے گئے۔ اور امید کر بیٹھے کہ شاید اب جرائم کی رفتار کچھ کم ہو جائے گی لیکن سالِ رواں کے ابتدائی ایام میں مزید جرائم ریکارڈ کیے گئے۔ برطانوی اخبارات نے سنگین جرائم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "۱۹۹۳ء کے پہلے ۵۲ دنوں میں تقریباً ایک سو کے قریب افراد قتل ہو چکے ہیں۔ (۲۴ فروری ۹۳ء) تازہ ترین رپورٹ کے مطابق ۲۸ اپریل کو (CHES HAiR E) میں جرائم سے پاک دن منانے کا اعلان ہوا۔ (یعنی اس دن کوئی شخص اس علاقے میں جرم نہ کرے) مگر افسوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت اسی دن سب سے زیادہ جرم ہوا۔ پولیس روزانہ ۲۳۰ کے قریب جرائم کی رپورٹ مرتب کرتی تھی۔ اس دن ۲۵۰ سے زیادہ جرائم کی رپورٹ ملی)۔ پولیس نے سربراہ نے اس پر نہ صرف شدید تشویش کا اظہار کیا بلکہ انتہائی افسوس کے ساتھ کہا کہ حالات دن بدن بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ برطانیہ میں سخت سزاؤں کا نفاذ انتہائی ضروری ہوگیا ہے۔ بعض ماہرین کی رائے یہ ہے کہ جرائم میں اضافے کی وجہ حکومت ہے۔ برطانوی قوانین میں بے شمار ایسی لچکیں موجود ہیں جن سے مجرم کو کافی رعایت مل جاتی ہے اور جرم کا ارتکاب کرنے کے باوجود مجرم آزادانہ گھوم پھر سکتا ہے اور مزید جرائم کرنے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ برطانیہ کے ایک معروف قانون داں سوزان لی نے کہا کہ ہمارا نظام انصاف متعدد کمزوریوں کا شکار ہے جس سے مجرم کو کافی رعایت ملتی ہے۔ وزارت داخلہ کی ایک دوسری رپورٹ میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ ملک میں حصول انصاف اس قدر صبر آزما اور اعصاب شکن ہوتا جا رہا ہے کہ شہریوں کا ایمان قانون سے عملاً ختم ہو رہا ہے اس لیے وہ تھانے اور عدالتوں کے چکر میں پڑنے سے گریز کرنے لگے ہیں۔ ماہرین کی رائے میں برطانیہ کا موجودہ قوانین اور انصاف کا نظام تعمیر نو کا شدت سے متقاضی ہے (روزنامہ آواز لندن ۲۹ اپریل ۱۹۹۳ء)

ہمارے نزدیک برطانیہ اور یورپ میں جرائم کی یہ خطرناک رفتار اسی وقت رک سکے گی جب یہاں اولاً تہذیب اخلاق کا درس دیا جائے گا۔ سکولوں۔ کالجوں میں بداخلاقی و بدتہذیبی پر مشتمل سارے اسباق پر پابندی لگائی جائے گی اور ہر قسم کے فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر و رسائل خلاف قانون قرار پائیں گے۔ جب تک بداخلاقی و بے حیائی کے مظاہرے ہوتے رہیں گے۔ اخلاق و کردار کے منافی ہر قول و عمل کو فکر و نظر کی آزادی سمجھ کر قابل قبول سمجھا جائے گا۔ برطانیہ اور یورپ کا معاشرہ کبھی صحت مند معاشرہ نہیں بن سکتا۔

یاد رکھیے جس قوم کے لوگ اخلاق۔ مذہب یا انسانی شرافت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر بدتہذیبی اور بے حیائی کے گڑھوں میں آگریں وہاں فکر و نظر کی آزادی بہت سے فتنوں کو جنم دیتی ہے۔ اور اس کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوا کرتا ہے۔ جس قوم کے رہنما یہ گمان کرتے ہیں کہ فکر و نظر کی تو پوری پوری آزادی چاہیئے مگر جرائم کے سدباب کے لیے سختی نہ کی جائے (محض پولیس کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے) تو جرائم کی روک تھام ہو سکے گی ان کا یہ گمان ایں خیال است و محال است و جنوں کا بالکل صحیح مصداق ہے۔ (۲) ثانیاً جرائم کے سدباب کے لیے سخت سزاؤں کا نفاذ بھی ضروری ہے۔ یورپ کے مفکرین کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی اصلاح کے مختلف اطراف میں سے صرف ایک رخ کو دیکھتے ہیں اور اصلاح کے دوسرے رخ سے نہ صرف غافل بلکہ عمداً چشم پوشی بھی کرتے ہیں۔ برطانیہ کی سابق وزیر اعظم مسز تھیچر برطانیہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھتی ہوئی قتل وغارت گری کے سدباب کے لیے سزائے موت کی حامی تھیں اور اپنے دور وزارت میں سزائے موت کے قانون کو دوبارہ لاگو کرنا چاہتی تھیں لیکن خود انہی کے گروہ اور حزب مخالف کے تمام ارکان پارلیمنٹ نے نہ صرف اسے مسترد کیا بلکہ ان سخت سزاؤں کو موجودہ دور کے لیے ناقابل قبول قرار دیا جس کے نتیجہ میں قتل و غارت گری میں اضافہ در اضافہ ہوتا گیا اور آج یورپ کے مفکرین خود اس پر شدید تشویش میں مبتلا ہیں۔ حالات کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ ان خطرناک جرائم کے سدباب اور استیصال کیلئے سخت سزاؤں کا نفاذ جماعتی حقوق کی حفاظت اور قوم کے امن و امان کے اسباب قائم و امان کے اسباب رکھنے اشد ضروری ہیں جن ممالک میں بداخلاقی کے خلاف اعلان جنگ ہو اور خطرناک جرائم کے سدّباب کے لیے سخت سزاؤں کا نفاذ ہو۔ وہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ ملک و قوم کی اخلاقی حالت بھی بلند ہوتی ہے اور افراد ملت و قوم بھی اطمینان و سکون کی زندگی گذارتے ہیں۔ سعودی عرب کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جہاں اخلاق و کردار، شرافت و حیار، تہذیب و متانت اور اعلیٰ تعلیم و ترتیب دی جاتی ہے۔ تو ساتھ ہی جرائم کے خلاف سخت موقف اختیار کیا جاتا ہے۔ اور دنیا گواہ ہے کہ وہاں کی تعداد انتہائی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ دنیا کے نام نہاد ترقی و تہذیب یافتہ ممالک امریکہ اور یورپ جرائم کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ یہاں شرافت و دیانت، شرم و حیار سر بیٹھ کر رہ جاتی ہے اور قتل و غارت گری چوری و ڈاکہ روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ جرائم کی روک تھام اور سدباب کے لیے اسلام نے کیا نقطۂ نظر پیش کیا ہے اسے بھی ملاحظہ فرما دیں۔ صاحب قصص القرآن حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاریؒ اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسلام اس حقیقت کو تو تسلیم کرتا ہے کہ جن جرائم کی سزا قید دینہ ہو بلاشبہ جیل اور مجلس میں ایسی اصلاحات کا نفاذ ضروری ہے جو مجرموں کو ایک عمدہ شہری بناتے میں مدد دیں اور آئندہ زندگی میں جرائم سے محفوظ رکھنے میں اس کے لیے اثر کیمیا ثابت ہوں۔ لیکن وہ یہ نہیں مانتا کہ ہر جرم کی سزا صرف جیل ہی قرار دی جائے اور سزائے موت یا سخت سزا کو ظلم کہہ کر خارج کر دیا جائے۔

جو مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ سزاءِ جرم صرف مجرم کے اصلاح حال کے لیے ہے اور مجرم ایک بیمار کی طرح ہے جس کا علاج جیل میں رکھ کر ترتیب و اصلاح کے ذریعہ ہی سے کیا جائے وہ معاملہ کے صرف ایک پہلو کو دیکھتے ہر دوسرے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مجرم کی اصلاح حال سے زیادہ جماعتی حقوق کی حفاظت اور نظام جتماعی کے مصالح کی فکر زیادہ لائق اور قابل لحاظ ہے۔

یوں تو سب ہی جرائم بداخلاقی کے اثرات ہیں تاہم مقابلۃً بعض ایسے خطرناک جرائم ہیں جو اجتماعی نظم کی تباہی۔ افراد قوم کی عزت و مال کی ہلاکت کے باعث بنتے ہیں اور بداخلاقی کے مہلک جراثیم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیداوار کا سبب ہوتے ہیں۔ اس لیے از بس ضروری ہے کہ ان کے انسداد و استیصال کے لیے ایسی سخت سزائیں مقرر ہوں کہ جن کے نتیجہ میں اگرچہ ایک مجرم کی جان کا نقصان یا ضیاع ہی لازم آتا ہو مگر اس سے جماعتی حقوق کی حفاظت اور افراد ملت و قوم کے امن و اطمینان کے لیے تسلی بخش سامان مہیا ہو سکے۔ کیونکہ یہ مقدمہ تمام اہل عقل و نقل کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے کہ

جماعتی مصلحت۔ انفرادی مصلحت سے مقدم ہے۔

پس "قتل زنا اور ڈکیتی جیسے جرائم میں قصاص اور تعزیر" اور چوری جیسے مہلک جرم میں قطع ید جیسی سزائیں ظلم اور تشدد بے جا نہیں ہیں بلکہ عین عدل و انصاف اور قرین حکمت و مصلحت ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ جرائم روحانی امراض ہیں اور مریض کا علاج ہونا چاہیئے نہ کہ اس کی جان کا خاتمہ مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر دینا بھی سخت غلطی ہے کہ کسی مریض کے ایسے اعضاء کا باقی رکھنا اور ان کا علاج کرتے رہنا جو فاسد مادہ کی وجہ سے تمام جسم کو زہر آلود کر کے تباہی کا باعث بن رہے ہوں۔ مریض کے ساتھ شفقت و رحمت کا معاملہ نہیں عداوت کا اظہار ہے۔

پس جب کہ ہر فرد قوم و ملت قومی و ملی جسم کا ایک عضو ہے تو اس عضو کی ان بیماریوں کا علاج جو بداخلاقی میں مسموم حد تک نہ پہنچی ہوں، بلاشبہ مریض کے عضو کی اصلاح کے ذریعہ ہونا چاہیئے لیکن اگر عضو قومی بداخلاقی کے مہلک جراثیم میں مبتلا ہو گیا ہے تو پھر شفیق ڈاکٹر و طبیب وہی ہے جو اس کو قوم و ملت کے جسم سے کاٹ کر پھینک دے تاکہ ایک عضو کی قربانی سے باقی تمام جسم صحیح و تندرست رہ سکے ...... یہ کس قدر فاحش غلطی ہے کہ ایک شخص کو سزائے موت سے اس لیے بچایا جاتا ہے کہ ہم اس جان لینے والے کی جان نہ لیں گے۔ مگر اس کی قطعی پرواہ نہیں کی جاتی کہ اس طریق کار کی بدولت دوسرے جرائم پیشہ بیماروں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سزا کی اس نرمی کو دیکھ کر بیماری کو زیادہ پھیلائیں اور وبا کی شکل تک پہونچا دیں اور اس طرح بے شمار انسانوں کے قتل کا موجب بنیں۔　(اخلاق و فلسفہ اخلاق ص ۱۸۱)

حضرت مولانا مرحوم نے جرائم کے سدباب اور استیصال کے لیے اسلام کے نقطۂ نظر کو جس مؤثر پیرایہ میں پیش فرمایا ہے۔ اگر یورپ اور امریکہ کے مفکرین اس پر ایک نظر ڈالیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ موجودہ مفکرین کے تمام وضع کردہ قوانین نہ صرف ناقص ہیں بلکہ مجرم کو مزید جرائم پر بھی آمادہ کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی قوانین اور اسلامی فلسفہ اخلاق سے معاشرے کی نہ صرف اصلاح و تسلیم ہوتی ہے بلکہ پورے علاقے اور ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان کا سانس لیا جاتا ہے۔

ہم برطانیہ اور یورپ کے جملہ مفکرین اور دانشوروں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلام کے فلسفہ اخلاق پر

(بقیہ ص ۳۶ پر)　

© rasailojaraid.com